© rasailojaraid.com

جناب پروفیسر عبدالحمید صدیقی

اشتراکیت کی نظریاتی اساس

اشتراکیت کے حامی اور اس کے مخالف عام طور پر اپنی بحث کا آغاز تاریخ کی مادی تعبیر سے کرتے ہیں یہی ان کے نزدیک اشتراکی فلسفہ کی جان ہے مگر ہم اس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پیشتر اس نقطۂ نظر کا کھوج لگانا چاہتے ہیں جو اشتراکیت اس کائنات کے متعلق انسان کو عطا کرتی ہے۔ انسان خواہ کسی خیال کا حامی ہو اس امر پر غور کرنے کے لیے مجبور ہے کہ جس دنیا میں وہ زندگی گزار رہا ہے اس میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کو برتے تو کیا سمجھ کر برتے؟ یہ سوال ایک ایسا سوال ہے کہ انسانی زندگی کے تمام اعمال پر اس کا نہایت گہرا اثر پڑتا ہے۔ دوسرے انسان یہ بات سوچتا ہے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ ساری تگ ودو، یہ ساری کشمکش، یہ سب محنت ومشقت آخر کس لیے ہے؟ یہی مقصود ومطلوب کا سوال انسان کی عملی زندگی کا رُخ اور اس کی رفتار متعین کرتا ہے۔ اور اسی کے مطابق عمل کے طریقے اور کامیابی کے وسائل اختیار کیے جاتے ہیں۔

یہ وہ اولین اور بنیادی سوالات ہیں جن کو کوئی ایسا نظام ایک لمحہ کے لیے نظر انداز نہیں کر سکتا جس کا تعلق زندگی کی گہرائیوں سے ہو۔ جس کی جڑیں انسان کے قلب ودماغ میں پیوست ہوں اور جس کی شاخیں انسانی زندگی کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہوں۔ ان سوالوں کا متعین جواب دیے بغیر نہ ہم زندگی کا کوئی حقیقی مسئلہ طے کر سکتے ہیں نہ نظام حیات کا کوئی نقشہ بنا سکتے ہیں۔ کوئی نظام زندگی خواہ کتنا سطحی اور مادی ہو۔ ان سوالات کے جواب کا کوئی نہ کوئی رُخ ضرور رکھتا ہے۔

مارکسی فکر کی اساس یہ ہے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے جو جواہر کے مجموعہ سے عبارت ہے جن کی تشریح طبیعات کے اصول موضوعہ کے ذریعہ ہی کی جا سکتی ہے۔ عالم میں جو کچھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی موجود ہے وہ ان قوانین کا پابند ہے۔ اس طرزِ خیال کے حامیوں کے نزدیک کسی بالاتر ہستی کا وجود یا اس کی فرمانروائی پر یقین نہ صرف خلافِ عقل و فطرت ہے بلکہ انسانیت کے لیے انتہائی خطرناک اور مہلک بھی ہے۔ خدا خود کوئی قائم بالذات ہستی نہیں بلکہ اس کے وجود کا اقرار انسان کی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف ہے۔ نوعِ انسانی جب کائنات کے اسباب و اثرات کے وسیع اور پیچیدہ طلسم کو جو غیر محدود زمان و مکان میں پھیلا ہوا ہے، سمجھنے سے عاجز آجاتی ہے تو وہ مجبور ہو کر ایک بالاذات کو تسلیم کر لیتی ہے مگر جب انسان طبیعی قوانین کی پیچیدگیوں کو حل کرے گا اور وہ خود کائنات کے اسرار و رموز جان لے گا تو پھر اس کے دل میں خود بخود کسی بلند و بالا ذات کا خوف باقی نہیں رہے گا۔ اس لحاظ سے خدا کا وجود دراصل قوانین طبیعی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ لینن نے اپنے ایک خط میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:

"خدا کا وجود نہایت ہی پیچیدہ خیالات سے عبارت ہے جن کو قوانین طبیعی سے بے خبری نے جنم دیا ہے۔"

وہ فلسفہ جو انسان کو یہ تعلیم دے کہ اس دنیا میں کوئی بالاتر ہستی موجود نہیں وہ قدرتی طور پر ذہنِ انسانی میں اس خیال کو بھی راسخ کر دیتا ہے کہ اس کی اپنی حیثیت اس کارخانۂ حیات میں ایک عارضی اور اتفاقی شے کی سی ہے جو فطرت کی اندھی قوتوں کی نہ صرف تخلیق ہے بلکہ ان کے ہاتھ ایک بے بس کھلونا بھی ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں تو دیکھیں گے کہ جب حیاتِ انسانی کی صرف طبیعی قوتوں کے ذریعہ توجیہ کی جائے تو اس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت باقی نہیں رہتی۔ زندگی کا یہ میکانکی تصور جو اشتراکیت نے انسان کے سامنے پیش کیا ہے اس سے نہ صرف وجود باری تعالیٰ کی نفی ہوتی ہے بلکہ خود انسان بھی انسانیت کے شرف سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ فطرت کی کرشمہ سازیوں کا محض ایک بے بس اور غیر متعلق تماشائی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی ساری خواہشات اور تمنائیں چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں محض سراب بن جاتی ہیں۔ وہ اپنی حماقت سے اپنے آپ کو کائنات کا مرکز تصور کرتا ہے مگر یہ اس کی ابلہ فریبی ہے۔ پھر جب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس عالم کی ماہیت زمان و مکان کے علاوہ کچھ بھی نہیں تو ہمیں از خود اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مادہ کی یہ منظم دنیا صرف توانائی کی لہروں سے تعمیر کی گئی ہے اس لیے اس "عالمِ رنگ و بو" کے پرے کوئی دوسرا عالم نہیں۔ اس استدلال کا منطقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی اور اس عالم کے بعد کسی اور عالم کے وجود کا مطلق انکار کیا جائے۔ جس کو حواس کے علاوہ کسی اور دلیل سے ثابت کیا جا سکے یا جن کو ماننے کے لیے محسوسات کے علاوہ کسی اور چیز کا وجود ماننا پڑے۔ اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کے وجود کے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی زندگی منتہائے نظر بن جاتی ہے۔ کسی آئندہ محاسبہ کا ڈر باقی نہیں رہتا۔ طبیعت میں ایک قسم کی آزادی اور بے قیدی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ اگر میری پچھلی گزارشات پر ذرا گہری نگاہ ڈالیں تو آپ خود محسوس کریں گے کہ استدلال کا یہ طریق اور مقدمات کی یہ ترتیب کائنات کی میکانکی توجیہ کے عین مطابق ہے اور یہی توجیہ مارکس کے سارے نظامِ فکر کی اساس ہے اس میں انسانیت کے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ داخلی طور پر سوائے حسی خواہشات کے کوئی دوسرا نصب العین یا کوئی دوسرا جذبہ اس کے فکر و عمل کا محرک نہیں ہو سکتا اور خارجی طور پر وہ قدرت کی اندھی بہری قوت کا غلام ہے۔

مارکس نے بھی ڈارون اور فرائڈ کی طرح انسانیت کی سطح کو بلند کرنے کی بجائے اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اس نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ ذرائع پیداوار کی نوعیت ہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر انسان کے اخلاقی اور مذہبی معتقدات اور اس کے تمدن اور اس کے علوم و فنون کی بالائی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ پیدائش دولت کے مختلف طریقے ہی کسی دور کی ذہنی اور سیاسی زندگی کا ہیولیٰ تیار کرتے ہیں۔ انسانیت کے ارتقاء کی اس کے نزدیک یہ صورت ہے کہ پہلے معاشی پیداوار کے طریقوں میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس کا براہ راست اثر اسباب زندگی کی تقسیم اور ملکیتی تعلقات پر پڑتا ہے اور اس سے زندگی کی قدریں از خود بدل جاتی ہیں اور اس طرح ایک نیا نظام وجود میں آتا ہے۔ اب دونوں نظاموں میں ہیگل کے جدلی عمل کی طرح کشمکش شروع ہوتی ہے اور بالآخر وہ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد دونوں مل کر ایک ایسے نظام کی بنیاد رکھتے ہیں جس میں تمام صالح اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نظام پہلے نظاموں سے ہر لحاظ سے ناگزیر طور پر بہتر ہوتا ہے۔ اسی طریق سے انسانیت کا ارتقاء ہو رہا ہے۔ سوشلزم کے علمبرداروں کے نزدیک اس نظریہ سے نہ صرف انسانی ارتقاء کی شاہراہ معلوم ہوئی ہے۔ بلکہ اس سے اخلاقی اقدار کا ایک نیا تصور بھی سامنے آیا ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی ساری صداقتیں اضافی قرار پائی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی ہر صداقت جس دور کے معاشی حالات سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اس دور کے ختم ہوجانے پر ساقط الاعتبار ہوجاتی ہے۔ ایسی کوئی صداقت نہیں اور نہ ہو سکتی ہے جو ہر زمانے کے لیے یکساں طور پر صحیح ہو۔ لہٰذا ہر دور کا اپنا ایک الگ "قرآن" ہے۔ یہ نیک و بد، محمود و مذموم یا حق و باطل کی تفریق سراسر فریب ہے۔ اگر کسی چیز کا وجود کسی دور کے معاشی تقاضوں کے لیے ناگزیر ہے تو وہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن یہی چیز اگر معاشی تقاضوں کے بدل جانے سے بیکار ہوجائے تو وہ باطل ہوجاتی ہے اسی طرح ایک فعل جو ایک خاص ماحول میں نیکی تصور کیا جاتا ہے۔ معاشی ماحول بدل جانے کی وجہ سے برائی نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے تمام انسانی تصورات و تخیلات اور اخلاقی اقدار خارجی احوال و واقعات اور خصوصاً معاشی نظام کے رُخِ زیبا کا عکس ہوتے ہیں۔ اس نظریے کو مارکس تاریخ کی مادی تعبیر کا نام دیتا ہے اور یہی اس کا وہ علمی کارنامہ ہے جس پر اسے بڑا ناز ہے۔ اشتراکیوں کے ہاں جس قدر اہمیت تاریخ کی اس مادی تعبیر کی ہے۔ اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اینجلز کی اس تقریر سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے مارکس کی موت پر کی۔ وہ کہتا ہے:

"جس طرح ڈارون نے فطرت میں قانونِ ارتقاء کو دریافت کیا۔ اسی طرح مارکس نے انسانی تاریخ میں ارتقاء کے قانون کو معلوم کیا۔ اس نے ایک ایسی بدیہی حقیقت کا کھوج لگایا جو امتدادِ زمانہ کی لپیٹ میں آکر نظری بحثوں میں گم ہو گئی تھی۔"

نسلِ انسانی کو سب سے پہلے کھانے کے لیے خوراک، پینے کے لیے پانی، رہنے کے لیے مکان اور تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا میسر آنا چاہیئے۔ اس کے بعد ہی وہ سیاست، مذہب، سائنس اور دیگر فنون میں دل چسپی لے سکتا ہے۔ لہٰذا طریقِ پیداوار ہی اصل بنیاد ہے جس پر سماجی زندگی کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ یہی وہ اساس ہے جس پر کہ ریاستی ادارے۔ قانونی تصورات علوم و فنون حتیٰ کہ مذہبی معتقدات کے رفیع الشان محلات اٹھائے جاتے ہیں۔"

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ کی مادی تعبیر درحقیقت انسانی فکر و عمل کی میکانکی اور مادہ پرستانہ توجیہ ہے جس طرح درخت کے بیج کو درخت کی قوت معرض وجود میں لاتی اور پرورش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی ہے اور اس سے الگ ہو کر اس کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بالکل اسی طرح مارکس نے انسان کو معاشی قوتوں کے ہاتھ میں ایک بے بس کھلونا سمجھ کر اس سے معاملہ کیا ہے۔

اہل پاکستان کو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ کیا ایک مسلمان کائنات کی میکانکی توجیہ قبول کر کے اور تاریخ کی مادی تعبیر کو مان کر مسلمان رہ سکتا ہے۔ وہ لوگ بڑے عیار اور فریب کار ہیں جو مسلمانوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ اشتراکیت کو اپنانے سے ہمارا مقصد تو غریب اور پسے ہوئے طبقوں کو سرمایہ دار کی دستبرد سے بچانا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اس تحریک کی قیادت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خود اس ملک کے بہت بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں اور اپنے کارخانوں اور اپنی جاگیروں میں مزدوروں اور مزارعین کی محنت سے اسی طرح ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح کہ دوسرے سرمایہ دار اٹھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے کارخانوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انہیں اس ملک کے کمزور عوام سے قطعاً کوئی محبت نہیں۔ ان کے دل میں ان کی بے بسی کو دیکھ کر کبھی کوئی تحریک پیدا نہیں ہوتی۔ ان اشتراکی سرمایہ داروں میں سے آخر کتنے ایسے ہیں جنہوں نے غریب عوام کی حالت زار سے متاثر ہو کر یہاں ہسپتال قائم کیے ہوں۔ بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کے لیے کوئی معقول بندوبست کیا ہو۔ نادار طلبہ کی تعلیم کے لیے کسی ٹرسٹ کی بنیاد ڈالی ہو۔ ان اشتراکیوں کی سرگرمیوں کا محور لے دے کر ایک ہی کیوں رہ جاتا ہے۔ مذہب اس کی اقدار، اس کے دیئے ہوئے نظام حیات اور اس کے اخلاقی ضابطوں اور اس کے خادموں کے خلاف نفرت کا طوفان اٹھانا۔ اسلام سے زیادہ غریبوں اور بے کسوں کا کون ہمدرد ہے۔ مگر ان اشتراکیوں کو سب سے زیادہ نفرت اس سے ہے۔ یہ نفرت بے بنیاد نہیں۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کا فلسفہ حیات کائنات کی میکانکی توجیہ کی سراسر تکذیب کرتا ہے اور تاریخ کی مادی تعبیر کو بھی یکسر باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ کائنات اندھے بہرے لزوم کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک مدبر صاحب ارادہ اور قادر مطلق ذات کی تدبیر کا کرشمہ ہے اور اس بنا پر انسانی فکر و عمل کا فیصلہ کن محرک مادی نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی ہے اور اسی بنیاد پر قوموں کو عروج و زوال آتا ہے۔ ذرائع پیداوار کسی معاشرے کے اخلاقی ضابطوں، روحانی اور سیاسی نظام کی صورت گری نہیں کرتے بلکہ کسی دور کا اخلاقی اور روحانی نظام ان سے صحیح طور پر فائدہ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تربیت کرتا ہے۔ اگر اخلاقی نظام خدا ترسی کی بنیاد پر قائم ہو اور انسان کے اندر آخرت کی جواب دہی کے احساس کی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کا شعور ہو تو ذرائع پیداوار سے بہتر طور پر کام لے کر کسی صحت مند معاشرے کی تشکیل کی جا سکتی ہے اور اگر اخلاقی نظام مفاد پرستی کی اساس پر استوار کیا گیا ہو تو پھر یہی ذرائع پیداوار ارتکاز دولت کا باعث بنتے ہیں اور اس طرح معاشرے میں شدید بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

یہ تصور اشتراکی فلسفہ اخلاق سے مغائرت رکھتا ہے اور اشتراکیت جب تک اس تصور کی بیخ کنی نہ کرے اس وقت تک اسے اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس تصور کے مٹنے کے بعد ہی انسان خدا کی خدائی کا انکار کر کے معاشرے کی خدائی اور عملاً کسی ملک کے برسر اقتدار طبقے کی خدائی قبول کر سکتا ہے

نقوشِ ابو الوفاء (جلد اوّل)

تالیف: مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ نے نصف صدی تک اسلام کی وہ خدماتِ جلیلہ سرانجام دی ہیں کہ جن کی نظیر برصغیر کی تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔ آپ نے برصغیر میں تمام مسلم دشمن طاقتوں اور مسلمانوں میں جنم لینے والے فتنوں کا اس خوش اسلوبی و عمدگی سے مقابلہ کیا کہ آپ کے مخالف بھی آپ کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے اس سلسلہ میں آپ کی مساعی کسی ایک میدان تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ تالیف و تصنیف درس و تدریس اور تقریر و مناظرات کے تمام میدانوں میں آپ نے تاریخی کارنامے سرانجام دیے۔ برصغیر کے نامور اہلحدیث مؤرخ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی نے انہیں معرکہ آرائیوں کی داستان نقوش ابو الوفاء میں قلم بند کر دی ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ۔ مضبوط جلد عمدہ گرد پوش۔ سفید کاغذ۔ صفحات ۲۲۵ قیمت مجلد -/۵ روپے ہر اہلحدیث مکتبے سے دستیاب ہے۔

ادارہ: ترجمان السنہ ۷ ایبک روڈ انارکلی لاہور

© rasailojaraid.com